بسم اللہ الرحمن الرحیم



ادارہ القادسیہ برائے نشرواشاعت

پیش کرتا ہے

شیخ انورالعولقی (رحمہ اللہ) کے مضمون

راز افشائیاں

کا اردو ترجمہ

(العولقی اپنی کہانی سے پردہ اٹھاتے ہیں)

مجھے قدرے چھوٹی عمر میں ہی امریکی حکومت کے ساتھ ایسے تجربات ہوئے جو آپ میں سے اکثر کو عمر بھر میں بھی نہیں ہوئے ہونگے۔ میں نے امریکہ کا دوسرا چہرہ دیکھا ہے۔ آپ میں سے اکثر شاید اس بات کو عجیب محسوس کریں گے کہ امریکہ – جو آزادی اور حریت کا روشن مینار سمجھا جاتا ہے – اس سے ایسا کچھ صادر ہو سکتا ہے۔ میں آپ کو موردِ الزام نہیں ٹھہراتا کیونکہ آپ جو بھی دیکھ رہے ہیں وہ صرف ایک چہرہ ہے۔ عوامی چہرہ۔ آپ دوسرا چہرہ اُس وقت تک نہیں دیکھ سکتے جب تک وہ آپ کو (اپنے لئے) خطرہ نہ تصور کرنے لگے۔

رسول اللہ ﷺ نے ورقہ (بن نوفل) سے پوچھا: تو کیا وہ مجھے نکال دیں گے ؟(یعنی کیا وہ ایسا کریں گے ؟) ورقہ نے کہا: جی ہاں! جب بھی کوئی آدمی اُس طرح کا پیغام لایا جیسا آپ لائے ہیں تو اُس سے ضرور دشمنی کی گئی۔

ایف بی آئی نے ذرا کچھ دیر کے لئے، جی بہلانے کے تجربے کی خاطر: میرے بارے میں بہت سی معلومات غائب کر رہی ہے۔ ان کے پاس موجود معلومات میں کچھ سچ ہے اور زیادہ تر جھوٹ۔ لیکن وہ ریکارڈ کے بیشتر حصے چھپا رہے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ میں 1991ء میں افغانستان گیا تھا۔ میں جے ایف کے (ایئرپورٹ) سے عازمِ سفر ہوا اور جے ایف کے ہی واپس پہنچا۔ ایف بی آئی میری کہانی کے اس حصے کا ذکر کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتی۔

- میں بہت پہلے سے زیرِ نگرانی تھا۔

- 9/11 کے دو اغواء کاروں کے ساتھ مفروضی طور پر قریبی تعلقات اور اُن میں سے دو کے ساتھ بند کمروں میں نشستیں۔

- ریاستی حدود کو پار کرنا اور پھر چھوڑ دیا جانا؟! پھر اُنہوں نے کہا کہ میں غبارے میں سے نکلنے والی ہوا کی طرح غائب ہو گیا؟!

- پاسپورٹ فراڈ: میرے (واپس) آنے سے صرف ایک دن پہلے منسوخ کر دیا گیا؟ کسٹم افسران اس صورتحال پر کافی حیران و پریشان تھے اور اُنہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہیں۔ مجھے اُن میں سے ایک کی طرف سے اُس کے چہرے پر عجیب سے تاثر کے ساتھ معذرت وصول ہوئی۔ درحقیقت خود مجھے بھی دھچکا لگا تھا اور میں نے اُن سے پوچھا: بس؟! اُنہوں نے کہا، جی سر، بس۔ اب آپ جہاز پر سوار ہو سکتے ہیں!

- میں برطانیہ میں طویل عرصہ رہا اور اگر امریکی حکومت مجھے وہاں گرفتار کرنا چاہتی تو میں اس کی درخواست پر گرفتار ہو سکتا تھا، مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔

اس کہانی کا کوئی سر پیر نہیں۔ پھر میری کہانی کا ایک اور حصہ ہے جسے یہاں شامل ہونے کی ضرورت ہے اور جسے ایف بی آئی بہت اچھی طرح سے جانتی ہے تاہم اُس کے بارے میں بات کرنا نہیں چاہتی:

- 1991 میں میرا دورہ افغانستان۔

سویہ رہی میری اپنی کہانی:

جب میں نے یمن میں اعلیٰ ثانوی تعلیم مکمل کر لی تو مجھے امریکہ میں تعلیم کے لئے ایک اسکالر شپ کی منظوری دے گئی۔ لیکن اِس میں دو مسئلے تھے: پہلا یہ کہ میں ایک امریکی شہری تھا جبکہ یہ اسکالر شپ صرف غیر ملکی طلباء کے لئے ہوتی ہیں۔ دوسرا یہ کہ اسکالر شپ زرعی تعلیم کے لئے تھی جبکہ میں انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اُس وقت میرے والد صاحب وزیر زراعت تھے اور امریکی اُن کے لئے بخوشی کچھ امتیازی برتاؤ کر رہے تھے۔

امریکی حکومت نے غیر ملکی طلباء کے لئے اسکالر شپ کے اپنے پروگرامز کے ذریعے 'دنیا بھر میں مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے اپنے اہلکاروں کا ایک مجموعہ بنایا ہوا ہے۔ اِن میں ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے لیڈر، سربراہانِ مملکت، سیاستدان، تاجر اور سائنسدان وغیرہ ہوتے ہیں۔ اِن سب میں ایک قدرِ مشترک ہوتی ہے کہ یہ سب امریکی یونیورسٹیوں میں طالب علم رہے ہوتے ہیں۔ امریکی حکومت اِن میں سے بعض طلباء سے اُس وقت براہِ راست رابطہ قائم کرتی ہے جب یہ امریکہ میں موجود ہوتے ہیں، اور اِن میں سے بعض سے بالواسطہ رابطہ قائم کرتی ہے اور ممکن ہے کہ بعض سے سرے سے ہی رابطہ قائم نہ کرے۔ کچھ بالآخر سی آئی اے یا دیگر انٹیلی جنس ایجنسیوں کے لئے کام کرنے لگ جاتے ہیں۔ اِن پروگراموں نے امریکہ کو دنیا بھر میں اپنی طاقت کو مضبوط کرنے اور اپنے تسلط کو پھیلانے میں مدد دی ہے۔ اسکالر شپ کے نام پر جس طرز سے امریکہ ایک سلطنت کا نظام چلا رہا ہے، (اور وہ بھی) اسے سلطنت کا نام دیے بغیر ہی، (یہ طرز عمل) ہمارے دور کی زبردست ایجادات میں سے ایک ہے۔

یہ براہِ راست کی بجائے بالواسطہ، ظاہر کی بجائے خفیہ، اور صریح کی بجائے مبہم انداز اختیار کرنے کا ایک انوکھا اور اچھوتا طریقہ ہے۔ اسی چیز نے امریکہ کو فریب کرنے اور اتنے طویل عرصے سے دنیا کو بیوقوف بنانے کی اپنی پالیسی پر عمل پیرا ہونے کے قابل بنایا ہے۔

یمن میں ایک باحیثیت خاندان سے تعلق رکھنا، ایک ایسے باپ کا بیٹا ہونا جو اعلیٰ حکومتی عہدیدار تھا اور جو خود ایک سابقہ امریکی طالبعلم تھا، ایک ایسے پرائیوٹ ادارے کا طالبعلم ہونا جہاں سب بااثر و رسوخ افراد کے لڑکے جاتے، اور ملک بھر میں اعلیٰ ترین

20 پوزیشنوں میں مقام کے ساتھ گریجویشن کرنا، غالباً اِن امور نے مجھے میرے کفیلوں کے لئے کچھ دلچسپی کا باعث بنادیا۔ میں اپنی یونیورسٹی میں بین الاقوامی طلباء کے دفتر کی جانب سے بہلانے پھسلانے کو محسوس کررہا تھا۔ وہ بہت معاون ثابت ہورہے تھے اور کام سے آگے بڑھ کر ذاتی سطح پر بھی مجھ سے تعلقات استوار کرنا چاہتے تھے۔ اگرچہ اُس وقت میں مکمل طور پر پابند مسلمان نہیں تھا لیکن میں امریکی حکومت کے لئے انتہائی نفرت کے جذبات رکھتا تھا اور انٹیلی جنس سروسز یا خفیہ احکامات سے متعلق کسی بھی چیز کے بارے میں بہت زیادہ محتاط تھا۔ پس میں دفتر برائے بین الاقوامی طلباء کے ساتھ اپنے تعلق میں قدرے سرد مہر تھا (جو دفتر میرے اعتبار کے مطابق حکومت کے لئے بین الاقوامی طلباء کو بھرتی کرنے کا ایک پیش منظر تھا اور اس کے علاوہ اُن کی جاسوسی کرنے اور انتظامیہ کو اُن کے بارے میں معلومات دینے کا بھی ایک ذریعہ تھا۔) مجھے روٹری کلب میں شمولیت اختیار کرنے کی بھی دعوت ملی مگر میں نے اسے ٹھکرادیا۔

کویت پر قبضہ ہوا جس کے بعد خلیجی جنگ ہوئی۔ یہ وہ وقت تھا جب میں نے دین کو زیادہ سنجیدگی سے لینا شروع کیا اور میں نے لڑنے کے لئے افغانستان کی طرف سفر کرنے کا قدم اُٹھایا۔ وہاں میں نے ایک خزاں گزاری اور اس نیت کے ساتھ واپس آیا کہ امریکہ میں اپنے حساب کتاب ختم کرکے ہمیشہ کے لئے افغانستان چلا جاؤں گا۔ میرا منصوبہ موسم گرما میں واپس سفر کرنے کا تھا تاہم کابل مجاہدین کے ہاتھوں فتح ہوگیا اور میں نے دیکھا کہ جنگ ختم ہوگئی لہٰذا پھر میں امریکہ میں ہی مقیم رہا۔

جب میں (امریکہ) واپس آیا تو میں نے اپنے ساتھ دفتر برائے بین الاقوامی طلباء کے رویے میں ایک مکمل تبدیلی محسوس کی۔ اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد میرا اسکالرشپ منسوخ کردیا گیا۔ میں نے اتنے بڑے اقدام کے پس پردہ سبب کی تحقیق کی۔ مجھے یہ جواب ملا کہ میرے گریڈ بہت نیچے گرتے جارہے تھے۔ یہ سچ تھا کہ میری توجہ اسکول سے دور ہٹ گئی تھی اور میرے افغانستان کے سفر اور کیمپس میں مسلم اسٹوڈنٹ ایسوسی ایشن کے صدر کے کردار کی وجہ سے میرے گریڈ متاثر ہوئے تھے اور نتیجتاً میں کیمپس میں اپنی کلاسوں کے ایک بڑے حصے سے غیر حاضر رہا تھا، مگر اِس وقت قوانین کے بارے میں بات کرنے کی کیا وجہ تھی جبکہ اسکالرشپ کے آغاز سے ہی میں ان قوانین کو توڑتا ہوا آرہا تھا؟ مجھے تو شروع سے ہی یہ اسکالرشپ نہیں دی جانی چاہیئے تھی۔ تاہم صنعاء میں امریکی سفارت خانے میں ایک جاننے والے سے مجھے یہ خبر پہنچی کہ اُنہیں کیمپس میں میری اسلامی سرگرمیوں کے بارے میں خبریں مل رہی تھیں اور اس حقیقت کے بارے میں کہ میں نے افغانستان کا سفر کیا تھا اور یہ میرے اسکالرشپ کے منسوخ کرنے کا واحد سبب تھا۔ یہ وہ بات تھی جس کا دفتر برائے بین الاقوامی طلباء نے کبھی ذکر نہیں کیا تھا بلکہ اسے بڑی مہارت سے گول کرجاتے تھے۔

بہر حال ان کا یہ منصوبہ کہ مجھے بھی دنیا بھر کے اُن ہزاروں مردوں اور عورتوں میں شامل کر لیں جو امریکہ کے وفادار ہوتے ہیں، پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ اب میں اس کردار کے لئے موزوں نہیں رہا تھا۔ اب میں ایک بنیاد پرست تھا! مزید بر آں میں واپس یمن جانے کی بجائے امریکہ ہی میں رہ رہا تھا۔

گریجوایشن کے بعد میں ایک سال کے لئے ڈینور میں امام بن گیا۔ پھر میں سان ڈیئیگو، کیلیفورنیا منتقل ہو گیا جہاں اس کہانی کے اہم ابواب رونما ہوئے۔

سان ڈیئیگو میں مرکزی مسجد ابو بکر مسجد یا سان ڈیئیگو اسلامک سینٹر تھا۔ تاہم سعودیہ اور خلیجی ممالک سے آئے ہوئے طلباء کا ایک گروپ مسجد میں چلائے جانے والے انتظامات کے طریقے سے خوش نہیں تھا۔ اُن کے نزدیک یہ بہت آزادانہ تھا چنانچہ اُنہوں نے ایک نئی مسجد بنائی۔ مسجد الرباط۔ مجھے اس کا امام بننے کی دعوت دی گئی۔ اگرچہ میں مسجد کی تعمیر کے کئی سالوں بعد یہاں آیا تھا، لیکن میں اس مسجد کا پہلا کُل وقتی امام تھا۔ مسجد سے تعلق رکھنے والی مقامی آبادی گہری طرح سے باہم مربوط تھی، جس نے حکومت کے لئے دراندازی کرنے کو بہت مشکل بنا دیا تھا۔ امریکی حکومت کی نسبت سعودیوں یا دیگر عرب ریاستوں میں سے کسی کے لئے اِس مسجد کے ذاتی انتظام کے بندوبست تک رسائی حاصل کرنا زیادہ آسان تھا۔ مسجد میں ایسا کچھ بھی نہیں ہو رہا تھا جو اس بے لگام درجہ بندی کے تحت آتا جسے آج ہم دہشت گردی کے نام سے پکارتے ہیں۔ تاہم یہ میرا پختہ یقین ہے کہ حکومت کسی وجہ سے مسجد میں اپنے جاسوس نصب کرنے کی فعال کوششیں کر رہی تھی۔ کچھ لوگ تھے جو اچانک کہیں سے نمودار ہو جاتے اور گھلنے ملنے کی کوشش کرتے اور مشکوک طریقوں سے مسجد کے لوگوں میں اپنی جگہ بنانے کی کوشش کرتے۔ جب اُن کے معاملات اچھی طرح سے طے نہ پاتے تو وہ غائب ہو جاتے اور اُن کی جگہ کوئی اور لے لیتا۔ یہ لوگ مجھ سے خاص طور پر انوکھے طریقوں سے برتاؤ کرتے جو مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیتا کہ کیا یہ واقعی حکومت کی طرف سے بھیجے گئے تھے؟ کیا وہ (حکومت والے) اُن سے بہتر لوگ بھیجنے کی بساط نہیں رکھتے؟

پس (مجھے ورغلانے کے لیے) مزید اوچھے ہتھکنڈے استعمال کیے گئے۔ 1996ء میں اپنی مِنی وین میں ٹریفک کے اشارے پر انتظار کرتے ہوئے ایک درمیانی عمر کی عورت نے (ڈرائیور کی نشست کے ساتھ) مسافر والی نشست کی کھڑکی کو کھٹکھٹایا۔ میں شیشہ کو نیچے اتار رہا تھا اور قبل اِس کے کہ میں یا وہ عورت کوئی بات بھی کرتے، پولیس افسران نے میرا گھیراؤ کر لیا اور مجھے گاڑی سے اُتار کر ہتھکڑیاں پہنا دیں۔ مجھ پر طوائف سے معاملہ طے کرنے کا الزام لگایا گیا اور پھر رہا کر دیا گیا۔ اُنہوں نے اس چیز پر خاص توجہ دی کہ مجھے واضح طور پر باور کرایا جائے کہ وہ عورت ایک خفیہ پولیس اہلکار تھی۔ مجھے سمجھ نہیں آئی کہ میں اِس

حادثے سے کیا اخذ کروں۔ تاہم چند دنوں بعد جواب مل گیا۔ دو لوگ مجھ سے ملنے آئے جنہوں نے اپنا تعارف امریکی حکومت کے اہلکاروں کے طور پر کرایا (اُنہوں نے یہ نہیں بتایا کہ اُن کا تعلق کس حکومتی ادارے سے تھا) ۔ وہ اس بات کے خواہشمند تھے کہ میں ان کے ساتھ تعاون کروں۔ جب میں نے ان سے پوچھا کہ وہ کس طرح کا تعاون چاہتے ہیں؟ تو اُنہوں نے جواب دیا کہ وہ اس بات کے خواہشمند ہیں کہ میں سان ڈیئیگو میں مسلم آبادی کی بابت اُن کے ساتھ قریبی معاونت کروں۔ میں ایسی پیشکش سے سخت نالاں ہوا اور اُن پر واضح کر دیا کہ اُنہیں مجھ سے کبھی بھی ایسے تعاون کی قطعاً کوئی امید نہیں رکھنی چاہیئے۔ پھر مجھے اُن کی طرف سے دوبارہ کچھ سننے کو نہ ملا یہاں تک کہ 1998ء میں ایک عورت پھر میری گاڑی کے قریب آئی۔ اس مرتبہ وہ میری (جانب کی) کھڑکی سے میرے پاس آئی۔ ایک بار پھر پولیس اہلکاروں نے مجھے گھیر لیا جو اِس دفعہ مجھے عدالت تک لے گئے۔ اِس دفعہ مجھے بتایا گیا کہ یہ "اسٹنگ آپریشن" (sting operation: زہریلی کاروائی) ہے اور تم اِس سے نکل نہیں پاؤ گے۔

میں نے فیصلہ کیا کہ میرے ساتھ بہت ہو چکا اور اب وقت آگیا ہے کہ امریکہ کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دوں۔ لیکن اس وقت میں امریکہ کی زندگی میں اتنا الجھا ہوا تھا کہ مجھے (اپنے معاملات کو سمیٹنے میں) تین سال کا وقت لگا اور پھر 11 ستمبر (کا واقعہ) رونما ہوا۔ بالا آخر میں نے سوچا کہ اپنے آپ کو اس جال سے نکالوں اور امریکہ چھوڑ کر چلا جاؤں۔ لیکن سان ڈیئیگو میں جو کچھ ہوا تھا اُس کے بعد میں نے ایک قدم بہت جلد اُٹھانے کا فیصلہ کیا۔ میں سان ڈیئیگو سے واشنگٹن چلا گیا۔ میرا خیال تھا کہ اگر سان ڈیئیگو میں مقامی حکومت کو مجھ سے کئی مسئلے ہیں تو پھر مجھے کسی اور جگہ منتقل ہونے کی صورت میں اِس سے فورا محفوظ ہو جانا چاہیئے۔ 11 ستمبر کے روز منگل کا دن تھا جبکہ (اس کے دو دون بعد) جمعرات والے دن ایف بی آئی میرا دروازہ کھٹکھٹا رہی تھی۔ ان کے سوالات حملوں کے گرد گھوم رہے تھے۔ اُنہوں نے پھر مجھ سے ملاقات کی اور ایک مرتبہ پھر وہ تعاون طلب کر رہے تھے۔ مگر میں نے انہیں واضح کر دیا کہ اُنہیں مجھ سے یہ امید نہیں رکھنی چاہیے۔ پھر ان کے ساتھ تیسری ملاقات ہوئی جو آخری تھی اور اُس ملاقات میں میں نے اپنے وکیل کو بھی حاضر کیا۔

یہ ہیں وہ سب جو میں امریکہ کے بارے میں اپنے تجربے کی بنیاد پر جانتا ہوں اور آپ مجھے بتانا چاہتے ہیں کہ میں اِن لوگوں کے لئے ووٹ دوں؟!

جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ اوباما نجات دہندہ ہے۔ ایف بی آئی، سی آئی اے اور دیگر انٹیلی جنس ایجنسیوں نے جو کھچڑی پکائی ہوئی ہے، جو اپنے قیام کے دِن سے تا حال اپنے پوشیدہ منصوبوں پر کام کرنے لگی ہوئی ہیں جبکہ صدور آتے اور جاتے رہتے ہیں۔ کیا

آپ سمجھتے ہیں کہ اوباما ان سب کو لگام ڈال سکتا ہے؟ کیا آپ واقعی یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ امریکہ کی خارجہ پالیسی کی اصلاح کر سکتا ہے جو اُن مسئلوں کے بارے میں ہمیشہ سے یکساں رہی ہے (اور تبدیل نہیں ہوئی) جو (مسئلے) کئی دہائیوں سے ہمارے لئے باعثِ تشویش ہیں؟

اگر اوباما طوفان کے بہاؤ کی مخالف سمت میں چلنے کی کوشش کرتا ہے تو یہ بہاؤ اُسے گھیر لے گا۔ جے ایف کے (جان ایف کینیڈی) امریکی زمین پر امریکی شہری کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔

تو کیا پھر میں امریکہ کے لئے اپنی ناپسندیدگی میں جواز رکھتا ہوں؟ مجھے یقین ہے کہ اگر آپ ڈاکٹر علی تمیمی، ڈاکٹر رافیل ظافر، امام جمیل الامین، شیخ عمر عبد الرحمن، فلسطینی سرگرم کارکنان اور حمید ان الترکی سے پوچھیں تو وہ سب ایک جیسے جذبات کا اظہار کریں گے۔ یا شاید کچھ بھی نہیں کیونکہ وہ شیر کی کچھار میں محبوس ہیں۔ تاہم جہاں تک میرا تعلق ہے تو اللہ نے مجھے آزادی سے نوازا ہے تا کہ میں اس شیطانی حکومت کا راز فاش کر سکوں کہ اس کی اصل حقیقت کیا ہے۔